علامہ اقبال، ہائیڈل برگ اور 'اخترِ صبح'

خالد محمود سنجرانی

Abstract:

Heidelberg has a unique history of Literature and Culture. Significant Literature has been written and collected in Heidelberg. Heidelberg and its romantic silence has strong impact on creative artists. Allama Mohammad Iqbal spent few months in Heidelberg during 1907. Although Atiya Faizi has written about Iqbal's social life but Iqbal's real artistic approach of Heidelberg is in the poems that he wrote during his stay at Heidelberg. "Akhtar e Subh" is one of these poems. This paper deals with Iqbal's hand written script of this poem as well as with published form. This paper also explores the various literary aspects of the poem.

ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کا عرصہء قیام ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء تا ۵نومبر ۱۹۰۷ء درج ہے[۱]۔کم وبیش ساڑھے تین ماہ کی اس قلیل مدت میں انھیں ہائیڈل برگ سے میونخ بھی آنا جانا پڑا۔اپنی ڈاکٹریٹ کی تکمیل کے لیے امکانی طور پر انھوں نے اس مدت میں سے کچھ وقت میونخ میں یک سو ہوکر بھی بسر کیا۔ہائیڈل برگ میں رہتے ہوئے علامہ اقبال کے تشخص کی جو صورت ہم تک پہنچی ہے،اس میں ان کی سیاحتی سرگرمیوں کا احوال، کشتی رانی، ہائیڈل برگ کے اطراف میں موجود محلات، باغات، آرٹ گیلریاں، عجائب خانے اور کتب خانے وغیرہ میں علامہ اقبال کی زندگی کا خارجی پہلوعیاں ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ جرمنی میں ان کے معاصرین، کچھ اتالیق اور احباب کے ناموں اور تعلق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کے معمولات حیات سے متعلق ان معلومات کا دورانیہ کم وبیش دو ہفتوں[۲] پر محیط ہے اور گمانِ غالب ہے کہ یہ دو ہفتے اسی سیاحتی مشاغل کے لیے مختص کیے گئے تھے۔اگرچہ ان دو ہفتوں پر مشتمل علامہ اقبال کی ہائیڈل برگ اور میونخ میں مصروفیات کو بہت اہمیت حاصل ہے لیکن اس کی بنیاد پر جرمنی میں ان کے عرصہء قیام کا مکمل دورانیہ مرتب نہیں کیا جاسکتا۔

ان دو ہفتوں کے دوران میں ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کے شب وروز کی جو تصویر عطیہ فیضی کے ہاں ملتی ہے، وہ بہت حد تک اقبال کی خارجی صورت ہے کہ جس میں وہ اپنی سماجی زندگی بسر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کی داخلی صورت کا عکس ان نظموں میں دکھائی دیتا ہے جو انھوں نے وہاں بیٹھ کر

تحریر کیں۔ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کے فکری میلانات، خیالات اور ذہنی و قلبی کیفیات کو جاننے کا معتبر ماخذ وہ چند نظمیں ہیں جو انھوں نے وہاں تحریر کیں۔ان نظموں میں ''ایک شام (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ، کے کنارے پر)''،''تنہائی''، ''اخترِ صبح'' اور ''شبنم اور ستارے'' شامل ہیں کہ جن پر بیاض میں بالالتزام علامہ اقبال کے اپنے ہاتھ سے ہائیڈل برگ اور تاریخ درج ہے۔ان نظموں کے علاوہ چند اور نظمیں بھی ہیں کہ جن پر گمان کیا جاسکتا ہے کہ انھیں ہائیڈل برگ میں بیٹھ کر لکھا گیا۔علاوہ ازیں، ان کی ایک اور نظم ''وصال'' میونخ میں قیام کے دوران میں لکھی گئی۔یہ چند نظمیں جرمنی میں علامہ اقبال کی داخلی صورت حال کی عکاس ہیں کہ اس مختصر عرصہ کے دوران میں ان کے دل و دماغ میں کون کون سے موضوعات تخلیقی راہ بنا رہے تھے۔راقم، اس سے قبل ان نظموں میں سے تین نظموں[۳] کا تجزیہ پیش کر چکا ہے۔ذیل میں ''اخترِ صبح'' اور ہائیڈل برگ کے باب میں چند بنیادی باتیں پیش خدمت ہیں۔

ہائیڈل برگ میں مجموعی فضا خامشی سے عبارت ہے۔اس شہر میں چند مشاہیر عالم نے اپنا کچھ وقت بسر کیا۔ہر شہر کسی نہ کسی طور اپنے ہاں بسنے والوں سے مکالمہ ضرور کرتا ہے، شہر کی فصیلیں اپنے پرندوں کو آواز ضرور دیتی ہیں۔رجوع کے عالم میں رہنے والے اس آواز کو سنتے ہیں اور جواب بھی ضرور دیتے ہیں۔ہائیڈل برگ کی خامشی مکالمہ کرتی ہے۔یہ بات قدرے وثوق سے اس لیے بھی کہی جا رہی ہے کہ راقم کو اس شہر میں اس نوع کا تخیلاتی تجربہ ہوا ہے۔مشاہیر کے ہاں ہمیں اس شہر کی خامشی کے باب میں نازک خیالات ملتے ہیں۔علامہ اقبال سے قبل گوئٹے نے ہائیڈل برگ میں اپنا کچھ وقت بسر کیا۔ہائیڈل برگ میں اس گھر کو محفوظ کیا گیا کہ جس میں گوئٹے نے رہائش اختیار کی تھی۔دریائے نیکر کے کنارے کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹی کی سمت جاتا ہوا ایک حسین رستہ وہاں اب بھی موجود ہے کہ جسے ہائیڈل برگ میں Philosophenweg کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس رستے کے بارے میں عام روایت یہ بھی ہے کہ گوئٹے یہاں اکثر چہل قدمی کیا کرتے تھے، یہ الگ بات ہے کہ راقم کے مشاہدے کی رو سے اس رستہ پر چہل قدمی کرنے کے لیے بہت اچھی صحت کا مالک ہونا ضروری ہے کہ ڈھلان بہت تیکھی ہے جس پر چڑھتے ہوئے اچھے خاصے آدمی کا سانس اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتا۔علامہ اقبال سے قبل گوئٹے نے اس خوب صورت شہر کی اس خاص جہت کو اپنے تخلیقی تجربے کا حصہ بنا کر اپنی معروف نظم 'Wandred Nachtlied\ Ein Gleiches' میں پیش کیا۔علامہ اقبال نے ہائیڈل برگ میں اپنے قیام کے دوران میں دریائے نیکر کے کنارے اسی سکوت کو اپنے دل میں بپا ہنگامہ محشر کے سامنے شدت سے اس طور محسوس کیا کہ انھیں اپنے دل میں موجود ہنگام کو تھپکنا پڑا کہ اے دل تو بھی خاموش ہو جا۔

ہائیڈل برگ کا بے پناہ حسن اس کی خاموشی میں بھی پنہاں ہے۔اس شہر کی خامشی کسی دکھیارے کی خامشی نہیں۔دریائے نیکر کے بہتے ہوئے خاموش پانیوں کی دونوں سمتوں میں پہاڑ کی ڈھلانوں پر گھر آباد ہیں کہ جن کی کھڑکیوں میں دن کے وقت پھولوں کی ٹوکریاں اور ان میں اگے ہوئے پھول مدھم ہوا سے جھولتے رہتے ہیں۔یہ خامشی اس شہر کا بھید بھرا دریچہ ہے کہ جس میں فطرت کی شمعیں خاموشی سے اسے روشن رکھتی ہیں کہ جیسے اس موسم میں

پانی کی ملاوٹ نہ ہو۔گوئٹے سے علامہ اقبال تک ہائیڈل برگ کی اس خاموش فضا نے انھیں نغموں پر اکسایا اوران نغموں میں اس فضا کی خامشی کا بھید ہے کہ جو ہمارے ہاں مشرق کی دردمند خاموشی سے بہت الگ نوعیت کا تجربہ ہے۔ بڑے شہروں کے ہنگام سے نکل کر آنے والوں کے لیے یہ شہر خاموشی کے بہت سے منظر وا کرتا ہے۔ یہ شہر میدانی علاقوں میں شام کے وقت دریا کی سی پرسکوت روانی کا سکون اور خاموشی رکھتا ہے کہ جس سے اس شہر میں آنے والے تخلیقی اذہان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ہائیڈل برگ کی اس خاموش فضا کے استعارے اپنی جگمگاہٹ کے ساتھ علامہ اقبال کی ان نظموں میں دکھائی دیتے ہیں کہ جو انھوں نے ہائیڈل برگ کی خاموش بھری پرسکون فضا میں تحریر کیں۔''بانگ درا'' میں شامل نظم ''اختر صبح'' ان نظموں میں سے ایک ہے۔اس نظم کے متن یا عنوان میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں کہ جس کی مدد سے اس کا تخلیقی زمان ومکاں سامنے آسکے۔اس نوع کے شواہد نہ ہونے کے سبب اقبال کے عام قاری کو معلوم نہیں ہو پاتا کہ یہ نظم ہائیڈل برگ کے زمانے کی یادگار ہے۔عام قاری سے ہٹ کر شارحین اور محققینِ اقبال بھی اس بابت کچھ وثوق سے نہیں کہہ سکے،انھوں نے ''بانگ درا'' میں اس کے ''وقوع'' بنا پر اس نظم کو یورپ کی یادگار قرار دیا ہے لیکن جرمنی بالخصوص ہائیڈل برگ کے حوالے سے اس نظم کا مطالعہ راقم کی نگاہ سے نہیں گزرا۔علامہ اقبال کے ابتدائی کلام کو مہ وسال کی ترتیب سے پیش کرنے والوں میں ایک اہم نام ڈاکٹر گیان چند کا ہے۔اس نظم کی تخلیق کے زمانے کے بارے میں آپ لکھتے ہیں: ''نظم کا صحیح زمانہ معلوم نہیں، بانگ میں اس کے وقوع کی مناسبت سے یہاں لکھا گیا ہے''۔[۴] راقم نے اپنے گذشتہ مضامین میں بھی اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ خود ڈاکٹر گیان چند کو احساس تھا کہ کلامِ اقبال کو مہ وسال کی ترتیب میں پیش کرنے کے لیے ان کا لاہور میں ہونا ضروری تھا کہ لاہور میں علامہ اقبال کے قلمی مسودات کے ساتھ ساتھ معاصر رسائل بھی دستیاب ہیں۔اس مجبوری کے باوجود انھوں نے بڑی لگن اور محنت سے یہ کام کیا۔'جاوید منزل' لاہور میں علامہ اقبال کے شعری مجموعوں کی قلمی بیاضیں موجود ہیں کہ جن میں علامہ اقبال نے اپنے ہاتھ سے اپنا کلام درج کیا ہوا ہے اور ترامیم واضافے بھی ان کے اپنے ہاتھ سے کیے ہوئے ملتے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بیاضیں علامہ اقبال کے تخلیقی وفور کی مظہر بھی ہیں کہ ایک رو میں اشعار لکھتے چلے گئے اور بعد ازاں، ان میں ترامیم واضافہ ہوتا رہا۔ان میں سے ایک بیاض ''بانگِ درا'' کی ہے جس کا تذکرہ راقم کے دیگر مضامین میں موجود ہے۔اس بیاض کی ایک عمدہ نقل علامہ اقبال کے پوتے اور ہمارے مہربان دوست جناب منیب اقبال کے توسط سے راقم کے پاس موجود ہے۔اس بیاض میں علامہ اقبال کے ہاتھ سے لکھی ہوئی زیرِ بحث نظم موجود ہے۔بیاض میں اس نظم کے ساتھ علامہ اقبال کے اپنے ہاتھ سے ہائیڈل برگ اور تاریخ درج ہے کہ جس سے اس نظم کی تخلیق کے زمان ومکاں کا حتمی تعین ہوجاتا ہے کہ جس کے باب میں شارحین ومحققینِ اقبال کا دشواری کا سامنا رہا۔ بیاض میں نظم کا عنوان درج نہیں۔ڈاکٹر گیان چند کی معلومات کے مطابق ''رزاق میں اس کا عنوان ستارہ صبح ہے''۔[۵] یہ نظم ''بانگِ درا'' میں 'اختر صبح' کے عنوان سے موجود ہے۔ ذیل میں بیاضِ اقبال سے اس نظم کا عکس اور

قارئین کی سہولت کے لیے کمپیوٹر ٹائپ رائٹنگ میں متن بہ مطابق اصل پیش خدمت ہے۔

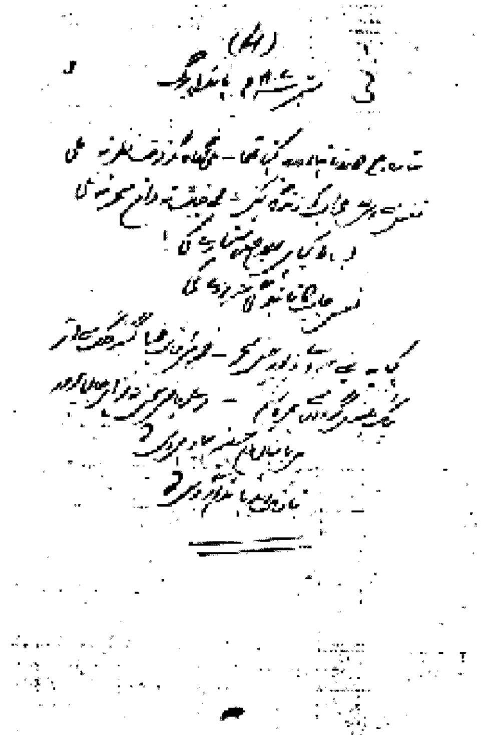

ستمبر۱۹۰۷ء ہائڈل برگ

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا   ملی نگاہ مگر فرصت نظر نہ ملی
نفس سے اس کے ملی سب کو زندگی لیکن   مجھے حیات تہ دامن سحر نہ ملی
بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفس حباب کا تابندگی شرارے کی
کہا یہ مینے کہ اے زیورجبین سحر   خموش مثل صبا گنبد فلک سے اتر
ٹپک بلندی گردوں سے ہمرہ شبنم   مرے ریاض سخن کی فزا ہے جاں پرور
میں باغباں ہوں حسینہ بہار ہے اس کی
بنا مثال ابد پائدار ہے اس کی

اس عکس کی روشنی میں مذکورہ نظم کے تخلیقی زمانے اور مقام کا تعین با آسانی ہو جاتا ہے۔ہائیڈل برگ میں

لکھی جانے والی نظمیں اس بیاض کے ابتدائی صفحات پر درج ہیں۔ بیاض کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے شروع کے پانچ صفحات پر بالالتزام اپنی نظموں کے ساتھ مقام (ہائیڈل برگ، میونخ) اور مہ وسال درج کیے۔ یہ شواہد بتاتے ہیں کہ علامہ اقبال نے ہائیڈل برگ میں رہتے ہوئے ''ایک شام'' کے علاوہ دیگر نظمیں بھی تخلیق کیں۔ بیاض میں بعد کے صفحات پر درج نظموں کے ساتھ مقام اور تاریخ لکھنے کا اہتمام موجود نہیں۔ یہ نظم ''بانگِ درا'' میں جزوی ترمیم کے ساتھ شائع ہوئی۔ ذیل میں علامہ اقبال کی زندگی میں ''بانگ درا'' کے شائع ہونے والے ایڈیشن سے اس نظم کا عکس پیشِ خدمت ہے تاکہ بیاض اور شعری مجموعے کا اختلافِ نسخ سامنے لایا جا سکے۔

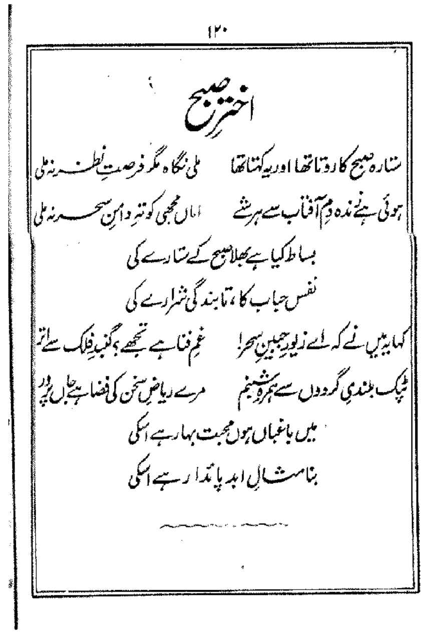

۱۲۰

اخترِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا — ملی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ ملی
ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب سے ہر شے — اماں مجھی کو تہِ دامنِ سحر نہ ملی
بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفس حباب کا، تابندگی شرارے کی
کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ جبینِ سحر! — غمِ فنا ہے تجھے؟ گنبدِ فلک سے اتر
ٹپک بلندیِ گردوں سے ہمرہِ شبنم — مرے ریاضِ سخن کی فضا ہے جاں پرور
میں باغباں ہوں، محبت بہار ہے اسکی
بنا مثالِ ابد پائدار ہے اسکی

ڈاکٹر گیان چند کے پیشِ نظر اس نظم کے تین متون رہے۔ ایک متن کلیاتِ اقبال مرتبہ عبدالرزاق، دوسرا متن صمد صاحب سے حاصل ہونے والی بیاض اور تیسرا متن ''بانگ درا'' کا ہے۔ ان تینوں کے بارے میں آپ رقم طراز ہیں: ''یہ نظم رزاق کے مقدمے میں ص ۱۱۵۔۱۱۴، بیاض اور بانگِ درا میں ہے۔ تینوں میں متن کا کوئی فرق نہیں۔''[۶] اندازہ ہوتا ہے کہ اس نظم کی ترتیب میں ڈاکٹر گیان چند نے جن ماخذات کو اپنی بنیاد بنایا، ان ماخذات کو جمع کرنے والے اصحاب (عبدالرزاق، صمد) کے پیشِ نظر علامہ اقبال کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ کلام نہیں رہا ہوگا۔ ذیل میں بیاض میں علامہ اقبال کے ہاتھ سے لکھی جانے والی نظم ''اخترِ صبح'' (اگرچہ اس میں عنوان موجود نہیں) اور ''بانگِ درا'' میں شائع ہونے نظم کے متن میں موجود اختلافِ متن پیش کیا جاتا ہے۔ ایک دو مقامات پر املاء کا اختلاف بھی موجود ہے کہ جسے پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

علامہ اقبال کی قلمی بیاض	بانگ درا
عنوان کی جگہ ''ستمبر ۱۹۰۷ء ہائڈل برگ'' درج ہے	اخترِ صبح
نفس سے اس کے ملی سب کو زندگی لیکن	ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب سے ہر شے
مجھے حیات تہ دامن سحر نہ ملی	اماں مجھی کو تہِ دامنِ سحر نہ ملی
کہا یہ مینے کہ اے زیورِ جبینِ سحر	کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ جبینِ سحر
خموش مثل صبا گنبدِ فلک سے اتر	غمِ فنا ہے تجھے؟ گنبدِ فلک سے اتر
مرے ریاضِ سخن کی فزا ہے جاں پرور	مرے ریاضِ سخن کی فضا ہے جاں پرور
میں باغباں ہوں حسینہ بہار ہے اس کی	میں باغباں ہوں، محبت بہار ہے اس کی

اختلافِ متن کی یہ صورت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''بانگِ درا'' کی ترتیب واشاعت کے وقت علامہ اقبال نے جہاں کڑا انتخاب کیا تو وہاں منتخب کلام پر بھی نظر ثانی کی۔ ماہرینِ اقبال بھی اس بات پر متفق ہیں کہ علامہ اقبال نے ''بانگِ درا'' کی ''ترتیب کے وقت اصلاحات بھی کیں اور اضافے بھی کیے'' ۷۔ ایک امکان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیاض میں ایک رو کے اندر کلام لکھ چکنے کے بعد اس کی نوک پلک سنواری ہوگی۔ ایک ایک لفظ کے اختلاف متن میں جانے کا یہ موقع نہیں لیکن ایک آدھ مثال سے متن میں ترمیم واضافہ کے موجبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بیاض میں مصرعہ ہے ۔ مجھے حیات تہِ دامنِ سحر نہ ملی جبکہ ''بانگِ درا'' میں یہ مصرعہ ہے ۔ اماں مجھی کو تہِ دامنِ سحر نہ ملی۔ اس مصرعہ میں ترمیم کر کے ''اماں مجھی کو'' لکھنے سے متکلم کا اختصاص نمایاں ہوتا ہے کہ صبح کے نظام قدرت میں سب کو زندگی مل رہی ہے لیکن فقط میں ہی ہوں کہ جسے دامنِ سحر میں امان نہ مل سکی۔ علاوہ ازیں، حیات ملنے اور امان کے مابین فرق کو بھی سامنے رکھا جائے تو اس ترمیم کی معنویت کھل جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں اپنے کلام میں ترمیم واضافہ کے ممکنہ اسباب ہم اپنے ایک اور مضمون ۸ میں پیش کر چکے ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے بیاض میں درج کلام کی کانٹ چھانٹ میں شعری روایات اور فنی علائم کو مدِ نظر رکھا۔

مغرب میں پیرس، برلن، ویانا اور لندن ایسے بڑے اور ہنگام سے بھرے شہر ہوں یا مشرق میں لاہور، کراچی، بمبئی، دلی اور کولکوتہ (کلکتہ) جیسے شور شرابے سے بھرے ہوئے شہر، بڑے شہروں میں بھی صبح کے ستارے کے نمودار ہونے کی ساعت سکوت بھری ہی ہوتی ہے کہ ماسوا دردمندوں اور زاہدوں کے اور کون اس وقت جاگ رہا ہوتا ہے۔ بڑے شہروں سے ہٹ کر ہائیڈل برگ جیسے خاموش اور پرسکون فضا کے حامل خوب صورت شہر میں اخترِ صبح سے جڑا ہوا وقت کتنا خاموش اور سکوت کا حامل ہوگا، اس کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں۔ اگر اس نظم کی تخلیق کے

زمانے کو سامنے رکھ سوچا جائے تو یہ اندازہ قائم کرنا اور بھی آسان ہو جائے گا۔ ہائیڈل برگ کی خاموش فضا علامہ اقبال کی تخلیقی امنگ میں اہم کردار ادا کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس فضا میں خاموشی سے ہم کلامی جہاں ان کی معروف نظم ''ایک شام'' سے جھلکتی ہے تو وہاں ''اخترِ صبح'' بھی اسی جہت کو جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

تخیل اور حقیقت کے بارے میں ایک پر اسراریت ہمیشہ سے موجود ہے۔ اس پر اسرار رشتے سے کئی اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ''اخترِ صبح'' کا دوسرا اور آخری بند تخیل اور حقیقت کے اسی رشتہ و پیوند کو ابھارتا ہے کہ جب غمِ فنا میں معدوم ہونے کے رنج میں صبح کا ستارہ افسردہ ہے تو شاعر اسے اپنے تخیل کے جہان کی سمت اترنے کی دعوت دیتا ہے۔

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ جبینِ سحر !　　غمِ فنا ہے تجھے ! گُنبدِ فلک سے اُتر
ٹپک بلندیِ گردوں سے ہمرہِ شبنم　　مرے ریاضِ سخن کی فضا ہے جاں پرور
میں باغباں ہوں، محبت بہار ہے اس کی
بنا مثالِ ابد پائدار ہے اس کی

شاعر کا فطرت کے ساتھ یہ نہایت ہمدردانہ رویہ ہے کہ شاعر کے تخیل میں فطرت زندہ و جاوید رہ سکتی ہے۔ وقت اگر فطرت کے کسی نقش یا منظر کو مٹا کر رکھ دیتا ہے تو شاعر یا تخلیقی فن کار کے تخیل میں وہ منظر جگمگاتا رہتا ہے۔ تخیل کے ساتھ ساتھ اظہار کی غیر معمولی قوت اس فانی کو ایک پائدار بنا فراہم کر دیتی ہے۔ دمِ سحر سے فنا کی تعلیم پانے والے اخترِ صبح کے لیے شاعر نے اپنے ریاضِ سخن کی فضا کو نہ صرف جاں پرور کہا ہے بلکہ تخیل کی اس بنا کو مثال ابد پائدار بھی قرار دیا ہے۔ عالمی ادب میں یوں تو سیکڑوں مثالیں موجود ہیں لیکن ورڈز ورتھ کی صرف ایک مثال Daffodils وضاحت کے لیے کافی ہے۔ شاعر کے تخیل اور اظہار کی طاقت کے سبب فطرت کا ایک حسین منظر اس طور امر ہوا کہ سیکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی شعوری طور پر اس منظر کو اسی حالت میں محفوظ کرنے کی تگ و دو کی جاتی ہے کہ جو منظر اس نظم میں موجود ہے۔ یہ تخیل کا اعجاز ہے کہ باہر کی دنیا میں پھول جھڑ جاتا ہے لیکن شاعر کے تخیل اور اظہار کی طاقت سے تا ابد کھلا رہتا ہے۔ فطرت کا حسن آواز کی صورت شاعر کے تخیل میں اترتا ہے تو کوئل کی آواز کی صورت اسی ورڈز ورتھ کے ہاں امر ہو جاتا ہے اور اگر لمس کی صورت ہو مغرب سے آتی ہوئی وحشی ہوا کی صورت کولرج کے صفحات تک تا دیر بادلوں کا ہم رکاب رہتا ہے۔ بصری، سمعی اور لمس کے سبھی تاثرات شاعر کے تخیل میں جاگزیں ہو کر اظہار کے غیر معمولی قرینے سے جڑتے ہیں اور حیات ابدی پا جاتے ہیں۔ جدید شعرا میں ڈیرک والکوٹ اس کی تازہ مثال ہے۔ خود علامہ اقبال کے کلام میں ''ہمالہ'' سے اس رمز سے کا آغاز ہو جاتا ہے۔

تخیل اور حقیقت سے جڑے ہوئے اہم سوالات میں سے ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ کیا فردوسی کا تخلیق کردہ کردار 'رستم' حقیقت میں بھی ایسا ہی غیر معمولی سورما تھا یا وہ محض تخلیقی نابغے کا اعجاز ہے۔ اگر رستم کا وجود فقط تخلیقی دنیا میں ہی ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا عالمی تاریخ کے بیش تر ہیرو

محض متخیلہ کی پیداوار ہیں۔عالمی ادب کی قدیم تر تاریخ سے لے کر موجودہ زمانے تک جتنے سورما، مشاہیر، سلاطین، صوفیا، عشقیہ قصوں کے مرکزی کردار کیا حقیقت میں اپنا وجود اسی طرح رکھتے تھے کہ جس طور انھیں تخلیقی ادب میں اجاگر کیا گیا ہے۔

کیا ہومر کے ہاں اخلیس، ہیکٹر جیسے سورما اور اوڈیسیس جیسے معاملہ فہم، داستانوں کے امیر حمزہ، عمروعیار، الہ دین، شیکسپئر کے ہاں رومیو، جولیٹ، سیزر، بروٹس، لیڈی میکبتھ، ہمارے یہاں وارث شاہ کے ہیر، رانجھا، خواجہ فرید اور شاہ لطیف کے ہاں سسی پنوں، جمیلہ ہاشمی کے منصور حلاج، نزدیک کے زمانے میں شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں وزیر بیگم، نواب شمس حتیٰ کہ منٹو کے ہاں بابو گوپی ناتھ، بشن سنگھ، سوگندھی تک نگاہ دوڑائیں، ان تمام غیر معمولی کرداروں میں کچھ تو تاریخ سے حقیقی ثابت ہیں اور کچھ قیاسات کے پردے میں پنہاں۔نسیم حجازی اور دیگر مقبول عام ادب کی مثالیں بھی سامنے ہیں۔ان نوع کے تمام کرداروں کی ساخت اور بنت میں مشاہدے کا کتنا دخل ہے اور تخیل کا زور کتنا کارفرما ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمی ادب کی تاریخ میں اس نوع کے غیر معمولی کرداروں کی تشکیل میں تخیل کی طاقت کا بڑا حصہ ہے۔عالمی حافظے پر نقش یہ کردار تخیل اور بیان کی پراسرار طاقت کی بدولت آج تک قائم و دائم دکھائی دیتے ہیں۔

علامہ اقبال کی اس نظم کا دوسرا بند اسی تخیل کی طاقت اور نابغے کا اپنے متخیلہ پر غیر معمولی اعتماد سامنے لاتا ہے کہ صبح کا ستارہ اگرچہ حباب کی زندگی اور شرر کی مانند بہت قلیل مدت کی نمود رکھتا ہے لیکن اس نمود کو شاعر کا مشاہدہ اپنے تخیل اور بیان سے مثال ابد مستحکم نمود میں بدل دیتا ہے۔علامہ اقبال کے کلام میں یوں تو تخیل کے زور پر ستاروں کے آگے کے جہانوں کا منظر موجود ہے لیکن 'بانگِ درا' میں 'بزمِ انجم' اور 'سیر فلک' قابل قدر نظمیں ہیں کہ جن میں وہ تخیل کے ہمراہ آسماں پر سے اپنا گزر دیکھتے ہیں۔'سیر فلک' کا آغاز اس بند سے ہوتا ہے:

تھا تخیل جو ہم سفر میرا   آسمان پر ہوا گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی   جاننے والا چرخ پر میرا
تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے   رازِ سربستہ تھا سفر میرا
حلقۂ صبح و شام سے نکلا
اس پرانے نظام سے نکلا [۹]

کلام اقبال سے یہ مثال ان کے اولیں اردو شعری مجموعے سے دی گئی ہے کہ بعد کے کلام میں ان کے تخیل کی پرواز سے زمانہ آشنا ہے۔فارسی کلام میں 'جاوید نامہ' تخیل کی اس بلند پروازی کے سبب عالمی کلاسیک کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔

شعراء نے پلک پر اٹکے ہوئے آنسو کو ستارے کی جھلملاہٹ سے اکثر تشبیہ دی ہے۔اس نظم کا آغاز علامہ اقبال کی فن کارانہ دسترس سے ہوتا ہے کہ صبح کا ستارہ روتا تھا اور یہ کہتا تھا۔علامہ اقبال نے ایک ہی مصرعہ میں پلک پر

اٹکے ہوئے آنسو اور ستارے کی جھلملاہٹ کو یک جا کر دیا کہ صبح کا ستارہ پلکوں پر اٹکے ہوئے آنسو کی مانند فریاد کناں ہے کہ اسے نگاہ تو میسر ہوئی ہے لیکن فرصتِ نظر نہیں ملی۔ صبح کے ستارے کی زبانی یہ رنج بھرا شکوہ اگر مشرقی ادب کی شعری روایت کے وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو حیات انسانی کی روداد بھی معلوم ہوتا ہے کہ اردو اور فارسی شعرا نے کہیں دو دن کی زندگی کہا، کہیں چار دن کی کہ جس میں سے دو آرزو میں کٹ گئے اور دو انتظار میں، کہیں اس نگاہ کو فرصت گناہ کے روپ میں سمجھ کر حوصلہ ء پروردگار کا مربیانہ شکوہ بھی کیا گیا، کہیں اہل نظر کے سامنے اسے 'جوں شرر' سے تعبیر کیا گیا، کہیں اسے اک پل قرار دیا گیا کہ ایک دم آئے ایدھر، اودھر چلے۔ مختلف اسالیب اور لہجوں میں رنگا رنگ استعاروں اور تشبیہات کے ساتھ نگاہ ملنے کے باوجود فرصت نگاہ نہ ملنے کے شکووں سے دیوان کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ علامہ اقبال کی فکر میں یہ پختگی ۱۹۰۷ء میں لکھی جانے والی اس نظم سے عیاں ہے کیونکہ یہ زمانہ ان کی شعر گوئی کا ایک طور ابتدائی زمانہ ہے۔ اس نظم سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی شعر گوئی کے ابتدائی زمانے ہی سے ان موضوعات کو نہ صرف اپنی فکر کو محور بنائے ہوئے تھے بلکہ اسے بیان کرنے کی قدرت سے بھی مالا مال تھے۔

اختر صبح کا لرزتے ہوئے دوسرا نالہ حیات و ممات کے ایک نہایت لطیف احساس سے متعلق ہے کہ جسے غالب اور اقبال جیسے بڑے تخلیقی نابغے ہی محسوس کر سکتے تھے۔ غالب کا شعر ہے:

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں بس ایک عنایت کی نظر ہونے تک [۱۰]

عنایت بھری نگاہ جو اپنی اصل میں حیات آفریں ہے، چاہنے والے کے لیے فنا کا پیغام ہے۔ زندگی بخش لمحات میں موت کا پوشیدہ ہونا لطیف خیال ہے کہ جو بسا اوقات محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن اسے بیان کرنا دشوار ہوتا ہے۔ غالب اور اقبال کی شاعرانہ عظمت اس میں بھی پوشیدہ ہے کہ لطیف احساسات کو زبان عطا کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ غالب نے اس نازک خیال کے اظہار کے لیے دمِ سحر کے مشاہدے سے مدد لی کہ جس طرح سورج کی کرن سے شبنم فنا کی تعلیم پاتی ہے، اسی طور میری ہستی عنایت کی نظر ہونے تک موجود ہے۔

اس نظم میں علامہ اقبال نے سورج کے طلوع ہونے کو حیات آفریں کہا کہ اس کے طلوع ہوتے ہیں ہر شے میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں لیکن اختر صبح کے لیے دمِ سحر زندگی کی بجائے موت کا پیغام لاتی ہے۔ اختر صبح حیات کی اس رعنائی اور رنگا رنگی کو زیادہ دیر دیکھ نہیں پاتا۔ بیاض اور 'بانگِ درا' کے اشعار میں اگر چہ اختلاف متن موجود ہے لیکن دونوں متون کے مفہوم کی روح یکساں ہے۔ ہائیڈل برگ میں اس نظم کی تخلیق سے قبل کی ایک نظم ''صبح کا ستارہ'' کے عنوان سے ''بانگِ درا'' میں موجود ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کے مطابق ''یہ نظم مخزن دسمبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی'' [۱۱] کم و بیش تین برس بعد علامہ اقبال نے ہائیڈل برگ میں رہتے ہوئے اس موضوع پر زیر بحث نظم

تحریر کی۔تین برس قبل کی نظم میں بھی علامہ اقبال نے صبح کے ستارے کی زبانی اپنی معدوم ہوتی ہوئی حیات میں حیات ابدی پانے کی تمنا کا اظہار مختلف قرینوں سے کیا تھا۔اس نظم میں صبح کا ستارہ کہیں اشک بن کر سر مژگاں اٹک جانے کی تمنا کرتا ہے تو کہیں پیشانی کے افشاں میں رہنے کی آرزو کا اظہار کرتا ہے۔کہیں وہ مظلوم کی آہوں کے شرارے میں چمکنے کی تابی کو ظاہر کرتا ہے تو کہیں قعر دریا میں گوہر بن جانے کو ترجیح دیتا ہے کہ گوہر بن جانے کی صورت میں وہ بحر کو چھوڑ کر زیب گلو بن جائے گا،حسن کا زیور ہو کر کہیں تاج سر بانو مسکائے گا،دست سلیماں کا نگیں ہو کر چمکے گا لیکن ان تمام صورتوں میں بھی وہ حیات ابدی سے دور ہی رہے گا۔'اخترِ صبح' میں حیات ابدی کے لیے صبح کے ستارے کے ہاں امکانات کی دنیا علامہ اقبال نے تلاش کی ہے۔ہائیڈل برگ میں تحریر کی جانے والی نظم میں علامہ اقبال صبح کے ستارے کے لیے حیات ابدی شاعر کے تخیل میں ہی پاتے ہیں۔ان دونوں نظموں میں فکری ارتقاء موجود ہے۔پہلی نظم میں حیات ابدی کی جستجو ہے تو دوسری نظم میں حیات ابدی کی منزل سامنے دکھلائی گئی ہے۔ان دونوں نظموں میں صبح کے ستارے کا رنج یکساں ہے:

آسماں کیا،عدم آباد وطن ہے میرا صبح کا دامنِ صد چاک کفن ہے میرا (صبح کا ستارہ)

ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب سے ہر شے اماں مجھی کو تہِ دامنِ سحر منہ ملی (اخترِ صبح)

ہائیڈل برگ کے زمانے کے بعد کی نظموں میں بھی علامہ اقبال کے ہاں ستارے میں موجود فنا پذیری کے خوف پر مشتمل لطیف خیالات کا تسلسل دکھائی دیتا ہے۔ان کی نظم ''ستارہ'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو مآلِ حسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو؟

متاعِ نور کے لُٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو ہے کیا ہراسِ فنا صورتِ شرر تجھ کو؟ ۱۲

کلام اقبال میں ستاروں کی نمود میں معدوم ہو جانے کا اندیشہ اور خوف تخلیقی شان کے ساتھ جلوہ گر ہے لیکن اس معدومیت سے علامہ اقبال نے حیات کشید کرتے ہوئے اس فنا پذیری کو حسن سے وابستہ کر دیا ہے۔ ''اختر صبح'' کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں علامہ اقبال نے شاعر کے تخیل کو ابدی قرار دیتے ہوئے زوال پذیر ستارے کو تخیل کی فضا میں اترنے کی راہ دکھلائی ہے۔

ہائیڈل برگ میں رہتے ہوئے علامہ اقبال نے اپنی فکری کائنات کی نمود کے لیے نظموں میں مکالماتی فضا کو متشکل کیا ہے۔ہائیڈل برگ میں لکھی جانے والی مکالماتی تکنیک کی حامل نظموں میں زیرِ بحث نظم کے علاوہ ''شبنم اور ستارے'' اس لیے بھی اہم ہے کہ اس نظم کی مکمل فضا مکالمے سے بھری ہوئی ہے۔علاوہ ازیں، ''ایک شام'' میں وہ اپنے دل سے مکالمہ کی فضا قائم کرتے ہیں۔انگلستان روانہ ہونے سے قبل ہی علامہ اقبال کے شعری اظہار کا زیادہ تر قرینہ مکالمہ کی تکنیک پر استوار تھا۔''بانگِ درا'' کی اولیں نظم 'ہمالہ' میں وہ 'اے ہمالہ' کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے

مکالمہ کی فضا کو سامنے لاتے ہیں۔بچوں کے لیے نظموں کی مکمل فضا مکالماتی انداز میں موجود ہے۔''بانگِ درا'' کے اسی حصہ اول میں 'زہد اور رندی'، 'طفلِ شیرخوار'، 'ایک پرندہ اور جگنو'، 'بچہ اور شمع' اور 'کنارِ راوی' سے یہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان جانے سے قبل کے زمانے کی نظموں میں انھوں نے مکالمے کی تکنیک کو زیادہ برتا۔یہ مکالماتی فضا آگے چل کر 'خضرِ راہ' کی صورت میں ہم عصر پرآشوب مسائل سے وابستہ ہو جاتی ہے کہ اقبال صحرانوردی کی غایت، سرمایہ ومحنت کا خروش، زندگانی کی حقیقت اور سلطنت کے گہرے تصورات کو مکالمہ کی تکنیک میں اجاگر کرتے ہیں۔ مکالماتی فضا کی حامل غیر معمولی تخلیقات میں ''جاوید نامہ'' کو تخلیقی معراج کی حیثیت حاصل ہوئی۔دیکھا جائے تو علامہ اقبال کے فکری ارتقاء کے ہر مرحلے پر نظم کی مکالماتی فضا مسلسل ان کے فن کارانہ اظہار کا وسیلہ بن کر سامنے آتی ہے۔ہائیڈل برگ میں رہتے ہوئے بھی وہ اپنے تخلیقی جہان کی نمود کو مکالمہ کی صورت سامنے لائے کہ جس ایک مثال 'اخترِ صبح' اور دوسری مثال 'شبنم اور ستارے' ہے۔

زمیں کے محرم کو افلاک کی بات سنانا علامہ اقبال کا غالب فکری رویہ ہے۔اس فکر کے اظہار کے لیے انھوں نے تمثیلی انداز کو زیادہ برتا کہ داستاں سنانے، مکالمہ ڈھالنے اور کہانی کا انداز اختیار کرنا ہماری مقامی دانش میں بھی آزمایا ہوا فن کارانہ طریق ہے۔تمثیل اور مکالمہ کی سماجی قبولیت پر دوسری رائے موجود نہیں اور اسی سبب سے بھی ہمارے یہاں کے مقامی زبانوں کا ادب اسی تکنیک میں زیادہ لکھا گیا۔زمیں کے محرم کو آسماں کی بات سنانے کے لیے علامہ اقبال نے اپنی نظموں میں شبنم کو وسیلہ قرار دیا ہے کہ وہ آسماں سے زمیں کی طرف اترتی ہے۔''اخترِ صبح''، میں بھی علامہ اقبال نے ستارے کو شبنم کی مثال دی ہے کہ اس کے ہمراہ بلندی گردوں سے ٹپک کر مرے ریاضِ سخن کی فضا میں اترو۔'اخترِ صبح' کی مکالماتی فضا میں دو کردار موجود ہیں۔پہلا کردار صبح کے ستارے کا ہے۔اسی کردار کے مکالمے سے نظم کا آغاز ہوتا ہے کہ جسے شاعر نے 'زیورِ جبینِ سحر' کہہ کر اس کے حسن کو غیر معمولی انداز ہ خراجِ تحسین پیش کیا۔صبح کے ستارے کا یہ کردار گلوگیر انداز میں مکالمہ کرتا ہے۔اس مکالمے میں وہ 'غمِ فنا' سے چور ہے اور ساتھ ہی فرصت نگاہ نہ مل پانے پر رنج بھرے اسلوب میں شکوہ کناں ہے۔اخترِ صبح کے مکالمے میں اپنی بساط کی کم مائیگی کا احساس بھی موجود ہے کہ صبح کے ستارے کی بساط تو فقط ایک حباب کی سی ہے جو ایک دم بھر کی نمود کے بعد ختم ہو جاتا ہے یا پھر اس کی بساط ایک چنگاری کی سی ہے کہ لمحہ بھر کے بعد فنا ہو جاتی ہے۔ دوسرا کردار شاعر کا ہے کہ جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا کہ جو اپنے تخیل کے جہان پر اعتماد رکھتے ہوئے صبح کے ستارے کو اپنے جہاں تخیل میں اترنے کی دعوت دیتا ہے۔

''اخترِ صبح''، علامہ اقبال کی ہائیڈل برگ میں لکھی جانے والی نظموں میں سے ایک ہے۔یہ نظم علامہ اقبال کے ہائیڈل برگ میں قیام کی یاد دلاتی ہے۔اس نظم کی روشنی میں ہم علامہ اقبال کے ہائیڈل برگ میں قیام کے دوران میں فکری گہرائیوں سے واقف ہوتے ہیں۔اقبالیات میں ہائیڈل برگ کا عرصہءِ قیام ان معلومات پر انحصار کرتا ہے کہ جو معلومات عطیہ فیضی نے اپنی ڈائری میں درج کی ہیں۔راقم کے خیال میں یہ ڈائری اپنی اہمیت کے

باوجود علامہ اقبال کے جرمنی میں قیام کا مکمل احاطہ نہیں کرسکتی کہ اس ڈائری کا دورانیہ فقط دو ہفتوں پر محیط ہے۔اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس ڈائری کی مدد سے ہم علامہ اقبال کی سماجی زندگی پر تو کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں لیکن ان کے فکری جہاں کا تعین نہیں کر سکتے ۔اس تعین کے لیے سب سے معتبر تر ماخذ ان کا کلام ہی ہے۔ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کی تخلیقی جہت پر اقبالیات کی روایت قدرے خاموش ہے۔''اختر صبح''اور ہائیڈل برگ میں لکھی جانے والی دیگر نظمیں جرمنی میں علامہ اقبال کی فکری اور فنی حیات پر روشنی ڈالنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

حواشی:

۱۔ درانی،سعید اختر، اقبال یورپ میں (لاہور:اقبال اکادمی،۱۹۸۵ء)ص۹۱

۲۔ عطیہ فیضی کی انگریزی کتاب'اقبال' میں ہائیڈل برگ،میونخ اور اطراف کی سیاحتوں اور روزمرہ کے معمولات کا ذکر موجود ہے۔ان یادداشتوں میں علامہ اقبال کو مرکزیت حاصل ہے۔اس کتاب کی رو سے عطیہ فیضی انیس اگست ۱۹۰۷ء کو لندن سے ہندوستانی طلبہ اور اپنے بھائی فیضی کے ساتھ ہائیڈل برگ کے لیے روانہ ہوئیں اور اگلے دن سہ پہر پانچ بجے ہائیڈل برگ پہنچ گئیں۔آپ لکھتی ہیں:

" I left London for Heidelberg on 19th Agust, reaching Heidelberg at 5 p.m, the next day" [Iqbal by Atiya Begum, Bomby: Victory press, 1947,P. 20] جبکہ ہائیڈل برگ میں اپنے زمانۂ قیام کے اختتام کی بابت آپ لکھتی ہیں: " My visit had come to an end, and I was to leave Heidelberg the next day which had many interaction episodes" [Iqbal by Atiya Begum, P. 29] اگرچہ ان سطور میں واپسی کی تاریخ کا ذکر موجود نہیں لیکن کتاب میں یہ سطور تیس اگست کی یادداشتوں کی ذیل میں لکھی ہیں ۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکتیس اگست کو آپ ہائیڈل برگ سے واپس روانہ ہوگئی تھیں۔ضیا الدین برنی کی ترجمہ شدہ کتاب'اقبال' کے آخری حصہ میں ڈائری کے عنوان سے چند صفحات موجود ہیں کہ جس میں چار ستمبر تک عطیہ فیضی کی ہائیڈل برگ میں سیاحتی زندگی کا تذکرہ موجود ہے۔ان دونوں ماخذات میں صرف تین چار دن کا فرق موجود ہے۔مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کی سماجی زندگی سے متعلق یہ یادداشتیں کم وبیش دو ہفتوں پر ہی محیط ہیں۔
تفصیل کے ملاحظہ کیجیے: ا۔علامہ اقبال، ہائیڈل برگ اور''ایک شام''مطبوعہ تحقیق نامہ، شمارہ نمبر۲۰، جون ۲۰۱۷ء ص ۱۵۔ ب۔ علامہ اقبال ، ہائیڈل برگ اور''سلیمٰی''، تحقیق نامہ، شمارہ نمبر۲۶، جنوری ۲۰۲۰ء ص ۱۱۱ ج۔میونخ میں علامہ اقبال کی تخلیقی امنگ

۴۔ گیان چند،ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال ۔بہ ترتیب مہ و سال (لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۰۴ء)ص۳۱۶

۵۔ ایضاً،ص۳۱۶

۶۔ ایضاً

۷۔ عبدالحق، اقبال کے ابتدائی افکار (دلی: شعبہ اردو دلی یونیورسٹی،۱۹۶۸ء)ص۸

۸۔ کانٹ چھانٹ اور ترمیم واضافہ کی اپنی نفسیاتی،سماجی اور ادبی وجوہ ہوتی ہیں۔کلامِ اقبال میں ترمیم کے ممکنہ اسباب راقم کے ایک مقالہ بہ عنوان 'میونخ میں علامہ اقبال کی تخلیقی امنگ' میں پیش کیے جا چکے ہیں۔

۹۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع یازدہم ۲۰۱۳ء)ص۱۸۷

۱۰۔ غالبؔ،اسداللہ خاں، دیوانِ غالب (لاہور: فیروزسنز،س۔ن)ص۲۷

۱۱۔ گیان چند،ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال ۔ بہ ترتیب مہ و سال ص۲۷۲

۱۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص۱۷۳

ماخذ

۱۔ اقبال، کلیات اقبال لاہور: اقبال اکادمی پاکستان طبع یازداہم،۲۰۱۳ء

۲۔ درانی،سعید اختر اقبال یورپ میں لاہور: اقبال اکادمی،۱۹۸۵ء

۳۔ عبدالحق اقبا ل کے ابتدائی افکار دلی: شعبہء اردو دلی یونیورسٹی ۱۹۶۸ء

۴۔ غالب،اسداللہ خاں دیوان غالب لاہور: فیروزسنز س۔ن

۵۔ گیان چند،ڈاکٹر ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ وسال لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء

7. Atiya Begum Iqbal Bomby: Victory press, 1947

رسائل

۱۔ تحقیق نامہ،شمارہ نمبر۲۰،لاہور: شعبہء اردو جی سی یونیورسٹی جنوری تا جون ۲۰۱۷ء۔

۲۔ تحقیق نامہ،شمارہ نمبر۲۶ لاہور: شعبہء اردو جی سی یونیورسٹی جنوری تا جون ۲۰۲۰ء